موجودہ جمہوری سیاسی اضطرابی صورتحال کا جائزہ اور اس کا حل، سیرۃ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

Existing Democratic political disturbances and its solution In the light of seerah

مفتی سید محمد رفیق*

ABSTRACT:

*The set of formal legal institutions that collectively constitute a "government"or a "state" form the basis of what we call "Political System". Democracy, one of the institutions withiun the present day political scenario, is a system of processing conflicts in which the outcomes depend on what the opinion of majority of the participants is. In such a process, no single force or group can control what occurs unless they can prove their majority. The primary problem with the world politics in today's world is not much different to what it has been over the centuries - it is controlled by people who are generally incapable of envisioning a system of just government that could address the broader problems faced by humanity and that which could think beyond the immediate scene. Nothing about our world will change until we acknowledge this reality and that the quality of life depends on more than a mere establishment of rules by which to live and carry out commerce. It requires an understanding of the universal issues that are not yet considered as a part of the better human condition by most governments of our time. Politicians always have, focussed on the tangible issues of the physical social structure while being oblivious to the fact that such a framework can be no more useful in improving the human condition than is the altruistic value of the foundation on which it is built. In this paper, the existing democratic political system has been thoroughly analyzed in accordance with the seerah of our beloved messenger*ﷺ.

Keywords: *Political System, Democracy, Seerah.*

جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے، اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں، اسی لئے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا، عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ ہم اردو میں جب Democracy کا ترجمہ کرتے ہیں تو جمہوریت لکھتے ہیں، لیکن عربی میں جمہوریت کے لفظ سے یہ مفہوم کوئی نہیں سمجھے گا۔[1]

*Darul-Ifta Ashraf-ul-Madaris, Karachi.

بہر حال جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو، یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع ومانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتناز بردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ مولانا سید محمد میاںؒ نے جمہوریت کی تعریف کے آخر میں لکھا ہے کہ :

"اگر ہم جذبات سے بالاتر ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا، جس طرح جمہوریت۔ اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کی تابع نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم جمہوریت کے ثناخوان ومداح اس لئے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے، رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی، حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان حریت، بے لگام آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بے شک جمہوریت کا یہ رخ قابل قدر ہے کہ اصولاً ایک فرقے کو دوسرے پر مسلط نہیں کرتی، اگرچہ عملاً اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔[2]

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ :"یورپ میں احیاء Renaissance اور روشن خیالی Enlightenment کی تحریکوں نے جمہوریت کو فروغ دیا۔ یادرہے کہ جمہوریت، سیاست سے پہلے ایک معاشرت کے وجود میں ہے۔ غیر طبقاتی اور تحمل پر مبنی معاشرہ کہلاتا ہے۔ اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ ایسے معاشرے سے وجود میں آنے والی حکومت میں عوام کے جذبات کی مکمل نمائندگی ہوتی ہے۔ اس کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب کے طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجے میں قائم ہونے والی سیاسی قیادت جمہوریت کی کلی طور پر نمائندہ نہیں ہو سکی کیونکہ مختلف ملکوں میں اس کا انداز انتخاب مختلف ہے۔ لہذا سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے لیکن مجموعی طور پر ایک متوازن معاشرہ یورپ میں ہر جگہ موجود ہے جو کہ جمہوریت کی اصل ہے[3]۔ اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کر سکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے اثرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں، خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لئے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔ بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہو سکتا ہے اصطلاح میں نہیں[4]۔ ایک طبقہ اسے سرے سے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح کے

انتخابی عمل کارد کرتاہے[5]. لیکن وہ اس کا کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک پیش نہیں کرسکا۔اسی وجہ سے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ابھی تک جمہوریت ہی کواپنی منزل سمجھتاہے۔جمہوریت ابھی تک مسلم معاشرے میں ناکام اسی لئے ہے کہ اس کے لئے تعلیم اور شعور درکار ہے جس کی مسلم ممالک میں زبردست کمی پائی جاتی ہے۔ جبکہ مخالف طبقہ اس کی ناکامی کا سبب یہ بتاتاہے کہ اس میں انسانوں کو گننا اہمیت رکھتاہے اور ان کے کردار سے کوئی سروکار نہیں،اس لئے اچھے لوگ کبھی برسراقتدار نہیں آسکتے۔لیکن وہ چیز بتانے سے بھی قاصر ہیں کہ وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے انسانوں کے کردار کو ناپا جائے اور انہیں اقتدار سپرد کیا جائے[6]۔اکثر سیاسی مصنفین کے خیال کے مطابق موجودہ جمہوری طرز حکومت ایک فریب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے نمائندے منتخب کرسکتے ہیں، لیکن عملی طور پر ان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس حق سے اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اٹھاسکیں۔دراصل رائے عامہ ذرائع ابلاغ سے تشکیل پاتی ہے لیکن یہ سرمایہ دار اور دولتمند اشخاص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ انکے حق میں ووٹ دیں لہذا اسی بناء پر یہ فریب کے سوا کچھ نہیں[7]۔بہر حال اس بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمہوری معاشرے میں عوام کی رائے اور رعایا کی بہبود کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جبکہ بادشاہت یا آمریت کے نظام میں عوام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور معاشرہ حاکم و محکوم کی ذیل میں تقسیم ہو جاتاہے۔جمہوری حکومت عوام کی حکومت ہوتی ہے اور عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرتی ہے، بدیں وجہ جمہوری معاشرے کے عوام باشعور ہوتے ہیں اور جبری معاشرے کے عوام شعور و آگاہی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

جمہوریت پر اس مفصل بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ سیاسی نظام بھی اسی جمہوری روش کا حصہ ہے، لیکن اس سیاسی نظام کو دنگا فساد پھیلانے، شتر بے مہار آزادی وخود مختاری کے بھینٹ چڑھانے اور دینی و مذہبی دائرے سے باہر نکالنے کا کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ویسے عام طور پر ریاستیں اس طرح بنتی ہیں کہ کسی ایک علاقے کے لوگ اپنی داخلی ضرورتوں یا بیرونی تسلط کی وجہ سے کسی نظام پر متفق ہو جاتے ہیں،اس کے لئے اصول وضوابط بنالیے جاتے ہیں اور ان ضوابط پر عملدرآمد کرانے کے لئے مشینری متعین کردی جاتی ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے جو ریاست قائم کی،اس کے لئے اس سے مختلف طریقہ اختیار فرمایا اور وہ یہ کہ پہلے آپ ﷺ نے افراد تیار کئے، پھر ان افراد کو ایک جگہ جمع کرکے ان کو ایک قوم کی شکل دی اور ان کے لئے دستور بنا کر ریاست کا سنگ بنیاد رکھا، آپ ﷺ نے اپنی ریاست کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، قومیت، پاپائیت یا شہنشاہیت پر رکھنے کے بجائے ان عقائد و نظریات پر رکھی، جن کا نام اسلام ہے[8]۔اسلامی احکامات کی رو سے مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیاہے کہ وہ ہر حال میں دین الٰہی پر کاربند رہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ[9]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی بری لگے۔

اس آیت کی رو سے حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے اس کا واضح مقصد یہی ہے کہ ایک ایسے اسلامی نظام کی اساس قائم کی جائے جو دنیا کے تمام نظاموں پر افضل ہو، اسی سے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جس کے جملہ معاملات کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق چلائے جائیں جہاں اسلامی تصور حیات کا عملی نمونہ پیش کیا جا سکے اور دنیا بھر کے لوگوں کو اس اسلامی ماڈل کو دیکھنے سمیت اسلامی اور غیر اسلامی طرز ہائے حکومت اور نظریات زندگی کا تقابلی جائزہ لینے کا موقع ملے، جہاں سماجی و ثقافتی اقدار کا اسلامی لحاظ موجود ہو اور اقتصادی و سیاسی نظام اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہو، لہذا اسی سلسلے میں موجودہ سیاسی نظام کا تفصیلی جائزہ حسب ذیل لیتے ہیں۔

سماجی و ثقافتی اقدار:

ہمارے ہاں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سر فہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی Modernization سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

اسی طرح حضور ﷺ کا طریق تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت و حمیت، صبر واستقامت، عفو ودر گزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ فرقہ پرستی گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت واخوت کے عناصر کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كلكم بنو آدم، وآدم خلق من تراب۔[10]

ترجمہ: انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

آپؐ نے تعصب پر جان دینے، تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ:

لیس منا من دعا الیٰ عصبیۃ و لیس منا من قاتل عصبیۃ و لیس منا من مات علیٰ عصبیۃ۔[11]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے۔

آپ ﷺ نے مؤمن کی جان و مال اور عزت و آبرو کو ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ وعرضہ۔[12]

ترجمہ: ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔

بہر حال آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے آنحضرت ﷺ کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکمرانوں کا طرز عمل لازمی طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ رشوت، سفارش، اقرباءپروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور انتظامیہ کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے، اور ہمارا ملک ان اوصاف کو اپنانے کے بعد ایک بہترین سیاسی نظام کے حامل مملکت گرداننے کے زمرے میں آسکتا ہے۔

اقتصادیات:

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ اکثر سیاسی مصنفین کا خیال ہے کہ معاشی غیر یکسانیت کی فضاء میں جمہوریت پنپ نہیں سکتی۔ حقیقی جمہوریت تبھی ممکن ہے جب یہ معاشی جمہوریت سے ہم آہنگ ہو جس میں دولت کی بے جا تقسیم اور غیر یکسانیت کو برداشت نہیں کیا جاتا[13]۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے اپنی منڈی بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں مگر ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ بے شمار مادی وسائل کے باوجود اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں روبہ عمل آسکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو، لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت ﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح

ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے، جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا، اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے، تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے''[14]

اسلام کے نزدیک معاشی مسئلہ اس قدر اہم اور پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر کی اور حکومتوں اور ملکوں میں سمجھا جاتا ہے اور جس کے حل کے لئے سوشلزم اور کیمونزم جیسی تحریکوں کو جنم لینا پڑا[15]۔ مسلمان ممالک جب تک اپنا نظام معیشت ترتیب نہیں دیں گے اس وقت تک وہ سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ بدقسمتی سے عالم اسلام کے معیشت دان ذہناً مغرب سے مرعوب ہیں کیونکہ وہ اس نظام کے پروردہ ہیں۔ کوئی ایک مجتہد پیدا نہیں ہوا جو سود سے پاک معاشی نظام مرتب کر کے دے۔ جب تک ریاست سے سود، سٹہ اور جوا ختم نہیں ہوگا اس وقت تک مسلمان مملکت کے پنپنے کی کوئی امید نہیں۔ عالمگیریت اسی سودی نظام کو مزید مستحکم کرنے کا نظام ہے جسے عالمی ساہوکار منظم کر رہے ہیں اور چلا رہے ہیں۔[16]

عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی، آپ ﷺ نے غیر مسلم قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا، اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں نے اپنا معاشی اعتبار قائم کر لیا اور غیروں کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ لہذا آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کو غیروں کے معاشی چنگل سے نکالنے کے لئے اسلامی اصولوں پر استوار تجارت کو فروغ دیا جائے، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا جائے اور سودی کاروبار کا یکسر خاتمہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ معاشی میدان میں مسابقت رکھنے والے ممالک کے ساتھ ملکی مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہترین معاشی و اقتصادی معاہدے کئے جائیں، یہ تمام ضروریات ایک بہترین سیاسی مملکت کی طلب عاجلہ ہیں ان کو حاصل کر کے ہی ہم اس مملکت خداداد پاکستان کو ایک حقیقی سیاسی نظام کے دائرے میں لا سکتے ہیں۔

مروجہ سیاسی نظام:

پاکستان میں جو سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ اور یکساں ہیں جس طرح کے 1973 کے آئین میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا

جاتا۔ مثلاً مغربی تصور جمہوریت کے نظریہ اقتدار اعلیٰ[17] کے برخلاف پاکستان کے آئین میں اقتدار اعلیٰ سمیت نفوذ قوانین اور مجلس شوریٰ وغیرہ کی وضاحت یوں کردی گئی ہے کہ:" تمام کائنات کی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور لوگوں کے پاس جو اختیار ہے وہ ایک مقدس امانت ہے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کے منافی ہو۔اس طرح پاکستان کے حکمرانوں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف ملک میں کوئی قانون نافذ نہ کریں"۔مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:" کسی فرد یا پوری ملت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتدر اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے، حاکم محدود اختیارات کا مالک ہے اور شریعت کے حدود کے اندر رہ کر ہی کوئی حکم جاری کر سکتا ہے، وضع قانون کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے"جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الاَمرِ مِن شَيۡءٍ قُل اِنَّ الاَمرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ[18] .

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے ! کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ریاست ضروریات زمانہ کے مطابق صرف فروعی قوانین بنا سکتی ہے لیکن ان کا بنیادی احکام سے مطابقت کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو صرف محدود عمومی حاکمیت عطاء کی گئی ہے، وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ،اجتہاد کے ذریعے طے کئے جائیں گے، یعنی پاکستان میں مجلس شوریٰ/پارلیمنٹ ان امور کے بارے میں جن میں اللہ اور رسول ﷺ نے واضح احکامات دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، صرف تعبیر اور تشریح کر سکتی ہے مگر ان میں ردو بدل نہیں کر سکتی ۔یہ احکامات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اکرم ﷺ کو ارسال کئے ہیں،اب ان کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، لیکن ان امور کے بارے میں جن میں کوئی قطعی احکام موجود نہیں مجلس شوریٰ/پارلیمنٹ قانون سازی کر سکتی ہے۔ ہر زمانے میں انسانی مسائل اور صورتیں یکساں نہیں رہتیں بلکہ بدلتی رہتی ہیں،اس لئے فقہاء اور اصحاب اجتہاد کا یہ فرض ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور ضروریات کے مطابق کتاب اللہ کے احکام کی روشنی میں قوانین وضع کریں،اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم میں ترمیم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔اسی بات کی اجازت فقہاء کے واضح اقوال سے بھی ملتی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

فکثیرمن الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیرعرف اهله اولحدوث ضرورة اوفساد اهل الزمان بحیث لوبقی الحکم علی ماکان علیه اولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد لبقاءالعالم علی اتم نظام واحسن احکام ولهذا تریٰ مشائخ المذهب خالفوا مانص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة بناها علی ماکان فی زمنه لعلمهم بانه لوکان فی زمنهم لقال بما قالوا به اخذا من قواعد مذهبه۔[19]

ترجمہ: بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کیساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہو جاتا ہے اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کیلئے ضرر کا باعث ہو جائے گا، اور ان شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہو جائے گا جو سہولت اور آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہے۔ تاکہ دنیا صحیح نظام اور بہتر طریقہ پر قائم رہے۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر مجتہد کی رائے سے اختلاف کیا ہے جو انہوں نے اپنے زمانہ میں اختیار کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر امام مجتہد اس زمانہ میں ہوتے تو وہی کہتے جو یہ مشائخ قواعد مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

یہی بات مالکی مکتبہ فکر کے ممتاز صاحب نظر فقیہ علامہ قرافی نے اس طرح کہی ہے کہ:

ان اجراءالاحکام التی مدرکھا العوائد مع تغیر تلك العوائد خلاف الاجماع وجھالة فی الدین وکلّ ما ھو فی الشریعة یتبع العوائد یتغیر الحکم فیه عند تغیر العادة الیٰ ما تقتضیه العادة المتجددة ولیس تجدیدا للاجتھاد من المقلدین حتیٰ تشترط فیه اھلیة الاجتھاد بل ھٰذہ قاعدة اجتھد فیھا العلماءفاجمعوا علیھا نتبعھم فیھا من غیر استئناف اجتھاد۔[20]

ترجمہ: جن احکام کی اساس عرف و عادت پر ہو ان میں عرف کے تغیر کے باوجود انہی احکام کو باقی رکھنا اجماع کے خلاف ہے اور دین میں جہالت ہے، شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف و عادت پر مبنی ہوں، عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو جائیں گے، یہ مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت مطلوب ہو بلکہ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جو اہل علم کے اجتہاد کا نتیجہ ہے اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق ہے، ہم کسی نئے اجتہاد کے بغیر ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

موجودہ دور کے تناظر میں جدید سیاسی نظام کے حامل مملکت جو کہ اسلامی قوانین کے مطابق ہو، کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں[21]۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے سیرۃ النبی ﷺ کے مطابق تین چیزیں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

1: سیاسی نظام کی تشکیل نو   2: امن وامان کا قیام   3: ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کی تشکیل نو:

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیر داری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔

ہمارے ایک روشن خیال مفکر نے لکھا تھا کہ :

''کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کا دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہو گی اور نہ روسی۔ ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہو گی''[22]

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ :

ایها الناس ان اکیس الکیس التقی وان احمق الحمق الفجور، وان اقواکم عندی الضعیف حتی آخذ له بحقه، وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ الحق منه، انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی وحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔[23]

ترجمہ: لوگو سب سے بڑی سمجھ داری تقوی ہے اور بڑی نادانی گناہ کا کام ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں، اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میں متابعت کرنے والا ہوں مبتدع نہیں۔ اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ اور تم لوگ اپنا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا ملکی سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر کا حامل ہو؟ یقینا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے حکمران بلا تفریق عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، امراء کو نوازنے اور غرباء کو مزید غربت کی چکی میں پیسنے کا جو رواج ہمارے ہاں عام ہے اسے سرے سے ختم کرنا ہو گا۔ ہمارے ملک میں تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند، قدامت پسند، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال اور بعض اوقات مرتد جیسے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا حکمران طبقہ ملک کو صحیح اسلامی سیاسی نظام کی کسی ایک نہج پر قائم کر سکیں گے۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ صرف زبانی کلامی دعوؤں کی بجائے حقیقی رواداری، وسعت نظر، حکمت، حلم و بردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرۃ النبی ﷺ کا امتیازی شان بھی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ فکری یکجہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر ایک فرد کے بس کی بات نہیں، لہٰذا اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دیئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

''علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کر سکیں''[24]

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اقتدار، سیاسی زعماء اور ارباب حل وعقد ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دے جو اسلامی اصولوں اور عوامی امنگوں کے مطابق ہو نہ کہ ذاتی پسند ناپسند کے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال ومطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حدالمقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہٰذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی اہم ہے، احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرات کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

امن وامان کا قیام:

ہمارے ملک میں امن وامان کی صورتحال ناگفتنی ہے۔ بد امنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان بم بلاسٹ، دھماکے اور خود کش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب مکہ کو آباد کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کرتے ہیں اس کے بعد معیشت کی بات کی۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مملکت کے لئے امن وامان کا قیام لازمی جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاِذقَالَ اِبرٰھِیمُ رَبِّ اجعَل ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًاوَّ ارزُق اَھلَه مِنَ الثَّمَرٰتِ.[25]

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور اس کے رہنے والوں کو رزق دے میوے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی، فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی اور آپ ﷺ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:

لیتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الیٰ حضر موت ، لا یخاف الا اللّٰہ۔[26]

ترجمہ: ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔

امن وامان برقرار رکھنے کے لئے آپؐ نے کشت وخون سے ہر ممکن گریز کیا، آپؐ نے جاہلی معاشرے کے ان افراد سے لوگوں کو نجات دلائی جو ناسور کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، وہ نہ خود امن، اسلام، آزادی اور عدل ومساوات کے قائل تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اعلیٰ قدریں قائم کرنے دیتے تھے، اس لئے جس طرح ایک انسان کا بازو اگر اتنا خراب ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ اگر اسے کاٹا نہ گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرائیت کر جائے گا اور وہ آدمی مر جائے گا، ایسے آدمی کا بازو کاٹ کر اسے بچا لینا سراپا رحمت وشفقت ہے، اسی طرح انسانی معاشرے میں جو افراد ناسور کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہوں، ان سے معاشرے کو نجات دلانا رحمت اور انسان دوستی کا تقاضا ہے، نبی کریم ﷺ نے غزوات کے ذریعے یہی کام کیا[27]۔ لہذا حضور ﷺ کے اسی فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے داخلی امن وامان کا قیام ایک لازمی امر ہے۔ اس کے لئے سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی لازمی امر ہے جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینا

ان نقاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اقدامات اٹھانا ایک کامیاب سیاسی نظام کے حامل مملکت میں امن وامان کے قیام کے لئے جزو لاینفک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کُونُوا قَوّٰمِینَ بِالقِسطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوعَلٰٓی اَنفُسِکُم اَوِالوَالِدَینِ وَالاَقرَبِینَ۔[28]

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کیلئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

ریاستی اداروں کی اصلاح:

سیاسی نظام کے ضمن میں تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا اصلاح واستحکام ہے۔ آج اگر ہمیں مملکت خداداد پاکستان میں افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے ہم دوچار ہیں تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ جس میں سفارش، رشوت، کرپشن، نااہلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال اور انصاف واحتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن میں ہمارے ملک کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔ اگر ملک کو داخلی وخارجی خلفشار سے بچانا ہے اور اسے ایک کامیاب اور بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ

وہ تمام تر ریاستی اداروں کی اصلاح کرے اور اس میں استحکام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔ حضور ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اسی ضمن میں سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کی رہنمائی مشعل راہ ہے، جس سے درج ذیل ہدایات اخذ کئے جاتے ہیں:

الف: سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔

اگر کسی کام کو سفارش، رشوت یا اقرباء پروری کے تحت نااہل کے حوالے کیا گیا تو سمجھ لیں کہ بربادی آن پہنچا ہے۔ جبکہ در حقیقت ہمارے ہاں یہی چیزیں سرعام اور بلاخوف وخطر جاری ہیں جن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ حضور ؐ کا ارشاد ہے کہ:

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[29].

ترجمہ: جب کوئی کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کیا جائے۔

ب: سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔

سفارش واقرباء پروری وہ ناسور ہے جو اداروں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ نے اس کلچر کا سخت مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام فاختطب فقال یاایھاالناس انما ھلك الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق منھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحدود ، واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔[30]

ترجمہ: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، کہ اے لوگو بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

ج: تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے، اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ملک میں المیہ یہ ہے کہ صدر سے لیکر چپڑاسی و چوکیدار تک بے لگام ہیں، جس کا جو جی چاہے کر لیتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ محتسب اور نیب جیسے ادارے برائے نام چیز بن گئے ہیں۔ معمولی تنخواہ دار عالی شان کوٹیوں کا مالک بنا بیٹھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ جبکہ فرائض واحتساب میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکواۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ ﷺ اس غرض سے اس کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی

ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اسکے بعد آپ ﷺ نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی[31]

د: ہمارے ہاں احتساب کا فقدان ہے اور قانون کی بالا دستی کا اطلاق نہیں اگر واقعی ملک کو ایک ماڈل اسلامی سیاسی نظام کے روپ میں پیش کرنا ہے تو عدالتی نظام کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انصاف و احتساب کے معاملے میں حاکم و محکوم امیر و غریب اور افسر و ماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔ کیونکہ قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کا احتساب کیا ہے اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکست کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں[32]۔ امید ہے کہ احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرات کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

اگرچہ تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاقی مصطلحات، بیع و شراء اور معاملات وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا، لیکن حضور ﷺ کی عہد مبارکہ میں یہ محکمہ قائم نہیں تھا بلکہ خود آپ ﷺ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کی جزئیات اخلاق اور فرائض منصبی کے متعلق آپ ﷺ وقتاً فوقتاً دار و گیر فرماتے رہتے تھے۔ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے[33]۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

لقد رایت الناس فی عہد النبی ﷺ یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعون فی مکانہم حتی یؤووہ الی رحالہم۔[34]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔

اسی طرح بے لاگ عدل و انصاف کے قیام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کُونُوا قَوّٰمِینَ بِالقِسطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوعَلٰٓی اَنفُسِکُم اَوِالوَالِدَینِ وَ الاَقرَبِینَ۔[35]

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کیلئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

خلاصہ بحث:

موجودہ سیاسی نظام اگرچہ جمہوری روش کا حصہ ہے، لیکن اس سیاسی نظام کو اغیار کے مفادات و مقاصد کے بھینٹ چڑھانے اور دینی و مذہبی دائرے سے باہر نکالنے کا کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہذا اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام ﷺ کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ پاکستان میں جو جمہوری سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے بہت حد ہم آہنگ اور یکساں ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اساسی وبنیادی اسلامی قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہو گا یقینا اس کے عوام وافراد خوشحال و مطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حد المقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس ضمن میں لازمی ہے کہ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی مؤثر ہو، تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کرنا اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا ملکی نظام کو چلانے کا انتہائی اہم حصہ ہے۔ ہمارے ملک میں ہر ایک کے بے لگامی کا جو عنصر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ احتساب کا عمل پوری دیانت داری اور خلوص و جرات کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔ امن وامان کے قیام پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ اس وقت ملک میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان میں اس وقت بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی سمیت اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینے کی انتہائی اہم ضرورت ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے اگر ملک دوچار ہے تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ سفارش، رشوت، کرپشن، ناقابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال، انصاف واحتساب کا فقدان، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی وغیرہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ملک کا حقیقی سیاسی سفر متزلزل اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے۔ سفارش اور اقرباء پروری کلچر کا خاتمہ لازمی ہے، ملازمین کا تقرر اہلیت واستحقاق کی بنیاد پر کیا جائے کیونکہ سفارش واقرباء پروری وہ ناسور ہے جو

اداروں کو کھوکھلا کردیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کرسکتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ہم مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لیں تو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے دیئے ہوئے تعلیمات سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام میں ہر وہ ناجائز صورت موجود ہے جو کہ اسلامی معاشرے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہو، لہذاان تمام ناجائز امور کا خاتمہ اور ایک حقیقی اسلامی سیاسی نظام کا وجود پیغمبر اسلام ﷺ کے طرز سیاست میں مضمر ہے کیونکہ حضور ﷺ کا طریق تربیت یہی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور باہمی ہمدردی ، احسان وایثار، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفوودر گزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

حوالہ جات

---

[1] عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2010ء، ص80

[2] مولانا سید محمد میاں، دور حاضر کے سیاسی واقتصادی مسائل، مکتبہ محمودیہ، لاہور، 1999ء، ص221

[3] مودودی، سید ابوالاعلی، خلافت وملوکیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1967ء، ص167

[4] سلفی، عبدالقدوس، اسلاف کی سیاست اور جمہوریت، جماعۃ الدعوۃ، لاہور، سن ندارد

[5] ڈاکٹر محمد فاروق خان، اسلامی انقلاب کی جدوجہد، غلطی ہائے مضامین، لاہور، 1994ء، ص21

[6] محمد حبیب وبیگم افسر سلیم، سلاطین دہلی کا سیاسی نظام، انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی، 1979ء، ص35

[7] چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، سٹینڈرڈ بک، لاہور، 2009ء، ص285

[8] اچکزئی، ڈاکٹر محمد عبدالعلی، روضۃ السیرۃ، مکتبہ ولیہ، کوئٹہ، 2012ء، ص122

[9] الصف 9:16

[10] المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی ، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال ، مؤسسہ رسالۃ، بیروت، 1401ھ، ج3، ص527

[11] السجستانی ، ابوداؤدسلیمان ابن اشعث، سنن ابوداؤد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن ندارد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ج2، ص326

[12] المسلم النیسابوری، ابی الحسین مسلم ابن الحجاج (متوفی 261ھ)، المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ، احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب البر، حدیث32

[13] بحوالہ بالا، چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، ص285

[14]بحوالہ بالا، المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ، الفصل الثالث فی انواع الکسب

[15]علامہ عبدالوحید خان، مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، 2003ء، ص23

[16]ڈاکٹر خالد علوی، اسلام اور عالمگیریت، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، 2006ء، ص28

[17](مغربی تصور کے نظریہ اقتدار اعلیٰ میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ ''مطلق، ہمہ گیر، پائیدار یالازوال، لامحدود، ناقابل انتقال، اور ناقابل تقسیم''۔ان صفات کا کسی ایک شخص یا جماعت میں تلاش کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ سب صفات صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کسی اور کو نہیں)

[18]آل عمران 154:3

[19]شامی، ابن عابدین سید محمد امین آفندی، رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی، لاہور، 1980ء، ج2، ص125

[20]قرافی، شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس، الاحکام فی تمیز الفتوی من الاحکام، مکتبۃ العلمی، بیروت، ص231

[21]الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف، لاہور، جنوری-مارچ1995ء

[22]خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، سن ندارد، ص295

[23]بحوالہ بالا، المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب الاول فی خلافۃ الخلفاء، ج5، ص633

[24]ڈاکٹر حمید اللہ، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا تدارک، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، 2007ء، ص186

[25]البقرہ126:2

[26]البخاری، امام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل(متوفی256ھ)، الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب المناقب، علامات النبوۃ

[27]بحوالہ بالا ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، ص123

[28]النساء135:4

[29]بحوالہ بالا البخاری، باب من رفع صوتہ بالعلم، ج1، ص21

[30]ایضاً، باب من انتظر حتی تدفن، ج4، ص175

[31]ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات، لاہور، حصہ دوئم، ص411

[32]مولوی محمد رمضان، خطبات علی میاںؒ، دارالاشاعت، کراچی، ج8، ص64

[33]بحوالہ بالا، سید سلیمان ندوی، حصہ دوئم، ص411

[34]بحوالہ بالا البخاری، ، باب من انتظرحتی تدفن، ج3، ص69

[35]النساء135:4